

## غزالی اور ابن رشد کا قضیہ اصل عربی متون کی روشنی میں (۲)

(۳)

آپ جان چکے ہیں کہ غزالی نے ”مسلم“ فلسفیوں کی طرف جن ہنوات کی نسبت کی ہے، ابن رشد ان ہنوات کی ”مسلم“ فلسفیوں کی طرف نسبت کو غلط ثابت نہیں کر پائے، بلکہ لگتا ہے کہ یہ ان کا مقصد ہی نہیں تھا۔ ”مسلم“ فلسفیوں سے منسوب جن دو ہنوات کا ہم نے حوالہ دیا ہے، ان کے ضمن میں ابن رشد کا رویہ سامنے آچکا ہے کہ وہ ان جیسے مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کو ناقل کی بجائے الثاموچید اول نام زد کر دیتے ہیں اور یوں بوعلی سینا وغیرہ کے خلاف غزالی کی ”چارچ شیٹ“ کو اور بھی زیادہ مضبوط بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ غزالی نے جہاں فلاسفہ کی الہیات کو غیر قطعی ثابت کرنے کے لیے اور محض فلاسفہ کے استدلالوں میں تشکیکات دکھانے کے لیے مخالف استدلال کیے ہیں، ان سے ان کا مقصد اپنے استدلال کو قطعی ثابت کرنا نہیں، بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ ایسے مسائل میں کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کے لیے کوئی قطعی دلیل کسی کے پاس نہیں ہے۔ لہذا ابن رشد کا کوشش کر کے ایسے موقعوں پر غزالی کے استدلال کو غیر حتمی ثابت کرنا غزالی کے لیے مضر نہیں، بلکہ ان کے موقف کو اور زیادہ مضبوط کرتا ہے۔

تیسری بات جو ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مختلف مسائل میں یونانی فلاسفہ کے ہاں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ غزالی نے تہافت الفلاسفہ میں اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تردید کے لیے صرف ارسطو کے اقوال کو چنا ہے اور ایسا عمداً کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اس کتاب کے ذریعہ بنیادی طور پر اعتقادی انحراف کا شکار مسلم فلسفیوں کو دعوت دین و دعوت توبہ دینا چاہتے ہیں اور مسلم فلسفیوں کے ہاں ارسطو کو ہی اپنا مرشد و سالار سمجھا جاتا تھا۔ اگلی بات یہ ہے کہ پھر اسی ارسطو کے کلام کو سمجھنے میں اس کے ”مسلم“ عقیدت مندوں کا خاصا اختلاف رہا ہے۔ غزالی نے اس اختلاف سے بھی صرف نظر کرتے ہوئے مسلم فلسفیوں میں سے صرف فارابی اور بوعلی سینا کی تشریحات و تہبہات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے انہی کی تردید کرتے ہیں اور یہ بھی انہوں نے عمداً کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ ”مسلم“ فلسفیوں میں جو اثر و رسوخ فارابی اور بوعلی کی آراء کو حاصل تھا، وہ کسی اور کو نہ تھا اور غزالی کا مقصد فلسفیوں کی ہی ہدایت ہے۔ فی الواقع کون سے مسئلہ میں ارسطو کی رائے کو کون سے فلسفی نے زیادہ درست انداز میں بیان کیا ہے، یہ توضیح اور

\* مدیر: مرکز احیاء التراث، قدیر آباد۔ ملتان۔ mabdullah\_87@hotmail.com

ماہنامہ الشریعہ (۴۵) مارچ ۲۰۱۴

”کلامِ ارسطو“ کی تشریح کے ضمن میں مسلم فلسفیوں کے مابین محاکمہ کرنا غزالی کا مقصود نہیں۔

غزالی خود اس بات کو جانتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ ”لیعلم ان الخوض فی حکایة اختلاف الفلاسفة تطویل، فان خبطهم طویل، و نزاعهم کثیر، و آراء هم منتشرة و طرقهم متباعدة متدابرة، فلنقتصر علی اظهار التناقض فی رای مقدمهم الذی هو الفیلسوف المطلق والمعلم الاول..... وهو ارسطاطاليس“ مزید لکھتے ہیں: ”ثم المترجمون لكلام ارسطاطاليس لم ينفك كلامهم عن تحريف و تبديل محوج الی تفسير و تاویل، حتی اثار ذلك ایضا نزاعا بینهم، واقومهم بالنقل و التحقیق من المتفلسفة فی الاسلام الفارابی ابو نصر و ابن سینا..... فلیعلم انامقتصرون علی رد مذاهبهم بحسب نقل هذین الرجلین“ (تہافت الفلاسفة۔ صفحہ ۷۶-۷۸) یعنی ”فلاسفہ کا باہمی اختلاف اور نزاع بہت زیادہ ہے اور اس سب کا تعاقب کرنے سے بات طویل ہو جائے گی۔ ان کی آراء میں اتحاد نہیں اور نہ ہی ان کے دلائل میں کوئی یگانگت ہے۔ اس وجہ سے ہم نے یہاں صرف ارسطو کی آراء کو موضوع تنقید بنایا ہے جو ”مسلم“ فلسفیوں کا مقتدا ہے اور ان کے ہاں اسے فلسفہ کے پہلے باضابطہ استاد کا درجہ حاصل ہے۔ پھر ارسطو کے شارحین اور ترجمانوں کے کلام میں بھی تحریف اور تبدیلی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ توجیہ و تاویل کی محتاج ہے اور جس کی وجہ سے ارسطو کے شارحین میں بھی اختلاف پھیل گیا ہے۔ ارسطو کے شارح ”مسلم“ فلسفیوں میں سب سے زیادہ بااثر اور معتد فارابی اور بوعلی سینا سمجھے جاتے ہیں۔ لہذا واضح رہے کہ ہم ”مسلم“ فلسفیوں کی تردید انہی دو آدمیوں کی نقول کی بنیاد پر ہی کریں گے اور بس۔“

اب بڑی بدیہی سی بات ہے کہ اگر ابن رشد غزالی کا جواب لکھنا چاہتے تھے تو انہیں اپنے جواب میں بوعلی سینا اور فارابی کی طرف سے بھرپور صفائی دینا تھی، مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کی گفتگو سے کہیں بھی یہ تاثر نہیں ملتا کہ وہ ابن سینا اور فارابی کے وکیل ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ابن رشد ابن سینا اور فارابی ہی سے شکوہ کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے حکماء یونان کے اصل مذہب کو بگاڑ دیا ہے اور اس کی درست تشریح نہیں کی۔ انہوں نے ابن سینا کے موقف، استدلال اور اقوال کو فسطاطی (تہافت التہافت۔ صفحہ ۲۷۳) خطا (۲۹۸)، غلط (۳۲۶) اور غیر صادق (۴۰۷) لکھا۔ جی ہاں، یہ سب انہوں نے لکھا ہے۔ کچھ مسائل کے بارہ میں لکھا کہ حکماء میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں، سوائے ابن سینا کے، لہذا حکماء کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ (صفحہ ۱۹۵) بعض مسائل کے بارہ میں لکھا کہ فارابی اور ابن سینا نے حکماء یونان کی طرف یہ مسائل غلط طور پر منسوب کیے ہیں۔ (صفحہ ۸۹، ۱۲۱، ۳۰۶، ۳۰۹) ایک جگہ لکھتے ہیں: ”فانظر هذا الغلط ما اکثره علی الحكماء، فعلیك ان تتبین قولهم هذا..... فی كتب القدماء لا فی كتب ابن سینا وغیره الذین غیروا مذاهب القوم فی العلم الالہی حتی صار ظنیاً“ (صفحہ ۳۰۱) یعنی ”دیکھو، یہ غلط فکر کتنی کثرت سے حکماء یونان کی طرف منسوب کی گئی ہے، لہذا تم پر لازم ہے کہ ان کے اقوال کو منتقدین کی کتابوں میں دیکھا کرو، ابن سینا وغیرہ کی کتابوں میں نہیں جنہوں نے علم الہی میں یونانی فلاسفہ کے مذہب کو بدل کر اتنی تحریف کی کہ یہ قطعی کی بجائے ظنی ہو کر رہ گیا۔“ اس عبارت میں کئی دلچسپ مگر غور طلب باتیں ہیں:

☆ ارسطو کے افکار کی تشریح میں ابن سینا کے ساتھ ابن رشد کا یہ اختلاف کوئی نئی بات نہیں۔ آپ جان چکے ہیں کہ غزالی شارحین ارسطو کے اس اختلاف سے پہلے ہی واقف ہیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر فارابی اور بوعلی سینا کی تشریحات کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا کیونکہ ”مسلم“ فلسفیوں میں ان کو جو مقام حاصل تھا، وہ کسی اور کو نہ تھا اور غزالی کا مقصد ”مسلم“ فلسفیوں کو یہی دعوت اصلاح دینا ہے۔ فی الواقع ارسطو یا حکماء یونان کے افکار کیا ہیں اور کیا نہیں، یہ چیز ان کی بحث سے خارج ہے کیونکہ اب وہ ارسطو کی قبر میں جا کر اس کو دعوت دین دینے سے تو رہے۔

☆ ابن رشد کا جواب واقعتاً جواب کہلانے کا مستحق تب ہوتا جب ابن رشد نے ”مسلم“ فلسفیوں اور خصوصاً بوعلی سینا وغیرہ کی طرف سے کوئی صفائی دی ہوتی اور ان کے داغوں کو دھو دیا ہوتا کیونکہ غزالی کے اپنے الفاظ کے مطابق، غزالی کا مقدمہ انہی کے خلاف تھا۔ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ غزالی کا مقدمہ جن فلسفیوں کے خلاف ہے، ابن رشد ان کی طرف سے سرے سے صفائی ہی نہیں دیتے، بلکہ انہیں الٹا دوہرا مجرم بناتے چلے جاتے ہیں، یہ کہہ کر کہ یہ مسائل ارسطو کی طرف غلط منسوب ہوئے ہیں اور یہ بوعلی سینا وغیرہ کی اپنی ایجاد ہیں۔

☆ اس عبارت سے غزالی کے اس دعویٰ کی تائید بھی ہوگئی کہ فلسفی اپنی الہیات کو ریاضی کی طرح قطعی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابن رشد بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ بوعلی سینا کی تشریحات نے فلاسفہ کے علم الہیات کو ظنی بنا چھوڑا ہے (ورنہ وہ فی الواقع تو قطعی تھا۔)

مزید سنئے، وہ غزالی پر غصہ نکالتے ہوئے بھی یہی کہتے ہیں کہ ”لم ينظر الرجل الا في كتب ابن سينا فلحقه القصور في الحكمة من هذه الجهة“ (صفحہ ۴۰۹) یعنی ”اس آدمی (غزالی) نے صرف ابن سینا کی کتب پر اکتفاء کیا جس کی وجہ سے فلسفہ کو سمجھنے میں وہ ناقص رہا ہے۔“ یعنی قصور ان ”مسلم“ فلسفیوں کا نہیں جو ابن سینا کو ارسطو کا سب سے بڑا شارح سمجھتے ہیں اور نہ ہی ابن رشد کا ہے جو ان فلسفیوں کو سمجھانے کی بجائے اور ابن سینا کی تردید لکھنے کی بجائے غزالی کو کوس رہا ہے، قصور ہے تو غزالی کا ہے کہ انہوں نے بوعلی سینا کی بنیاد پر اس کے پیروکار فلسفیوں کے خلاف مقدمہ دائر کیوں کیا ہے؟ میں ان لوگوں پر حیران ہوں جو اب بھی ابن رشد کے جواب کو ”جواب“ کہتے ہیں۔

ابن رشد کے رویہ کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سلیمان دنیا لکھتے ہیں: ”کننا ننتظر من ابن رشد في هذا المقام الا يدخل على هذه الادلة التي حكاها الغزالي تعدد من عنده..... بل ان يشير الى الادلة التي لابن سينا والفارابي في هذا المجال لانهما الذان ينقدهما الغزالي..... اما ان يغفل ابن رشد بيان ذلك ويحاول هو ان يعرض ادلة الفلاسفة في صورة اكثر قوة واشد حجية فليس يثبت بذلك ادانة الغزالي“ (تہافت التہافت - صفحہ ۸۳) ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ”ابن رشد لا ينصب نفسه مدافعا عن ابن سينا والفارابي وحدهما..... و ارسطو اغلى على ابن رشد من الفارابي وابن سينا، ولذلك حين يختلف الفارابي او ابن سينا مع ارسطو نجد ابن رشد يناصر الغزالي على الفارابي او ابن سينا لا حبا في الغزالي، ولكن لان وجهه وجهه نظره في هذه الحالة تتلقى مع ارسطو الذي هو احب مخلوق اليه في عالم الفلسفة“ یعنی

”ہم اس انتظار میں تھے کہ ابن رشد کا جواب پڑھیں گے تو وہ اس میں اپنی جانب سے دلائل دینے کی بجائے بوعلی سینا اور فارابی کے دلائل کی طرف اشارہ کریں گے اور ان کو تقویت دیں گے کیونکہ غزالی کی تنقید انہی دو اشخاص پر ہے (لیکن یہاں معاملہ الٹ ہے)، ابن رشد اس نکتہ سے غافل ہو کر مسلسل اس چکر میں رہتے ہیں کہ بوعلی سینا وغیرہ کے دلائل سے زیادہ قوی دلائل اپنی جانب سے دے کر غزالی کو نیچا دکھائیں، جبکہ یہ ممکن نہیں۔ ابن رشد اپنے جواب میں اپنے آپ کو صرف بوعلی سینا اور فارابی کا وکیل نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک فارابی اور ابن سینا سے زیادہ قیمتی ارسطو ہے، لہذا جہاں ابن رشد کو فارابی اور ابن سینا کا ارسطو کے ساتھ اختلاف محسوس ہو (کہ انہوں نے اس کے مذہب کی صحیح توجیہ نہیں کی) تو ابن رشد بھی فارابی اور ابن سینا کے خلاف بیان دے کر غزالی کی مدد کرتے رہتے ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ انہیں غزالی سے محبت ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ فلسفہ کے جہان میں ان کے لیے سب سے زیادہ محبوب مخلوق ارسطو ہی ہے۔“

ابن رشد کا خواہ مخواہ کئی جگہوں پر یہ کہنا کہ یونانی فلاسفہ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں اور یہ بوعلی سینا وغیرہ کی غلطی ہے جس کی تردید کر کے غزالی مطمئن ہیں، اپنا مذاق بنوانے والی بات ہے۔ غزالی کو خود بھی معلوم ہے کہ یونانیوں کے ہاں ایسے مسائل میں اختلاف رہا ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ”مرشد ارسطو“ کے کلام کو سمجھنے میں ان کے ”مسلم“ عقیدت مندوں کا بھی شدید اختلاف ہے، انہوں نے جان بوجھ کر صرف بوعلی سینا اور فارابی کو مد نظر رکھا ہے کیونکہ ”مسلم“ فلسفیوں میں ان کی آراء جو اثر در سوخ ہے، وہ کسی اور کو حاصل نہیں اور غزالی کا مقصود فلسفیوں ہی کی اصلاح اور انہیں رجوع الی اللہ کے لیے آمادہ کرنا ہے۔ فرض کر لیا جائے کہ اگر ابن رشد واقعی سچ کہتے ہیں اور جو ابن سینا نے ارسطو کے کلام سے سمجھا، وہ غلط ہے تو یہ ان کا بوعلی سینا سے اختلاف ہے اور انہیں چاہیے کہ ابن سینا کی تصانیف ”الاشارات“ اور ”الشفاء“ کا رد لکھیں، اس کے لیے ”تہافت الفلاسفہ“ کا جواب لکھنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ یا پھر اپنے فلسفی بھائیوں کو سمجھائیں جو ابن رشد کی بجائے بوعلی سینا کو ارسطو کا جانشین سمجھتے ہیں۔ غزالی فلسفیوں کی فکری تدقیقات سے غافل نہیں، وہ ان سے واقف ہیں اور انہوں نے ”تہافت الفلاسفہ“ سے پہلے ایک تمہیدی کتاب ”مقاصد الفلاسفہ“ کے نام سے تحریر کر کے فلسفیوں سے بھی زیادہ اچھے انداز میں فلسفیوں کے مذہب اور فکر کو تفصیل سے اور بغیر کسی تنقید کے بیان کیا ہے۔

ابن رشد کے دلائل خواہ کتنے ہی قوی ہوں، دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے مسلم فلسفیوں اور بوعلی سینا وغیرہ کی طرف سے کتنی وکالت کی ہے اور کتنا کامیاب مقدمہ لڑا ہے؟ تب ہی ان کا جواب ”جواب“ کہلانے کا مستحق ہوگا۔

(۴)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غزالی کے برعکس ابن رشد کا لہجہ نرم ہوتا ہے اور اس نے کہیں بھی غزالی کے لیے ناشائستہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ غزالی کے لہجہ میں کتنی تلخی ہے اور کیوں؟ بس ان حضرات کی اطلاع کے لیے اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ ابن رشد نے بھی ”غزالی“ (جو رشتہ میں شاید ابن رشد کے دادا استاد بھی ہیں) کے لیے شریرا اور جاہل کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)

(۵)

غزالی کے اٹھائے گئے بعض جزوی نکات پر ابن رشد کی تنقید بجا بھی ہو سکتی ہے، لیکن فی الجملہ یہ سمجھنا کہ انہوں نے

”مسلم“، فلسفیوں کے سارے داغ دور کر دیے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ ابن رشد کے ہم نوا اس سے زیادہ اس کے وفادار بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ساری بحث کو ایک طرف رکھ دیجئے، مجھے اس سوال کا جواب دے دیجئے کہ ابن رشد نے ”مسلم“، فلسفیوں کی طرف منسوب ہنوات کو کیسے ان سے دور کیا ہے، جن میں سے دینی عقائد پر براہ راست ضرب لگانے والی دو مثالوں کا ذکر مضمون کی ابتدائی سطور میں ہو چکا ہے؟

(۶)

غزالی کی حمایت سے شاید یہ محسوس ہو کہ انہوں نے فلاسفہ کی تکفیر کا جو فتویٰ دیا، ہم اس کی بھی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن واضح ہو جائے کہ ایسا نہیں۔ جب تک کسی کا کفر نکلے ہوئے دن کی طرح میرے اپنے سامنے روشن نہ جائے، میرے اندر کسی کے کفر و ایمان کے بارہ میں سوچنے کی بھی ہمت نہیں، مبادا کہ اونچ نیچ ہو جائے اور میری اپنی نجات خطرہ میں پڑ جائے۔ خصوصاً فلسفیوں کے بارہ میں جو ہمیشہ گول مول کر کے بات کرتے ہیں، تاویلوں کے چکر میں رہتے ہیں اور خود کہتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو کھل کر بیان کرنا درست نہیں سمجھتے۔ مجھے اپنا ایمان زیادہ عزیز ہے۔ میں ان کی ہنوات کو ہنوات محسوس کرتا ہوں، مگر ان کے لفظوں کی لاگ لپیٹ اور نیت کی خیانتوں کو اللہ کریم کے سپرد کرتا ہوں۔ ہاں، غزالی کے بارہ میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ انہیں اپنی ذات کی حد تک شرح صدر ہوا ہی ہوگا تو انہوں نے تکفیر کا حوصلہ کیا۔ واللہ اعلم

(۷)

”تہافت التہافت“ غزالی کی علمی و فکری زندگی کا مطالعہ کرنے کے لیے کوئی واحد آئینہ نہیں اور نہ ہی خود غزالی کی پیروی کا شوق رکھنے والوں کو صرف اس کی حد تک خود کو محدود رکھنا چاہیے۔ غزالی کی زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آئے جن کو انہوں نے خود غالباً ”المعتقد من الضلال“ میں بیان کیا ہے۔ اسی دوران ان پہ ایک عرصہ مناظرانہ گرمائی کا بھی گزرا، تہافت الفلاسفہ شاید اسی دور کی یادگار ہے۔ (تہافت الفلاسفہ۔ صفحہ ۵۷) جبکہ ان کی زندگی کا آخری حصہ خانقاہ نشینوں کی صحبت میں ایمانی صفات کو اپنانے کی فکر کرتے ہوئے گذرا۔ ان کی سب سے گراں مایہ کتاب ”احیاء العلوم“ اسی آخری دور سے تعلق رکھتی ہے۔ (اس نکتہ کی مزید وضاحت کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں)

ابن رشد سے پیار کیوں؟

مذکورہ بالا صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے، میں ابن رشد کے مریدوں سے پوچھتا ہوں کہ آخر کس امتیازی خوبی کی بناء پر وہ ابن رشد کے نام سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں؟ کیا محض اس وجہ سے کہ ”تردید غزالی“ کا ”سہرا“ ان کے سر ہے؟ مجھے شک ہے کہ ابن رشد کو بطور مرشد پیش کرنے والے اس کے چالاک مرید اور غیر مسلم ”لبرلز“ اس کی جس خوبی سے متاثر ہیں وہ اس کی آزاد خیالی ہے جو تاریخی روایات میں اس سے منسوب کی گئی ہے۔ اگر ابن رشد کو راہ نمائانا ہے اور اسی ابن رشد کو تاریخی روایات کے اندر نظر آتا ہے تو سنئے، وہ قوم عاد کے وجود کا منکر تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (تاریخ فلاسفۃ الاسلام۔ صفحہ ۱۳۸) میں نہیں کہتا کہ یہ بات ضرور سچ ہے جو اس سے منسوب کی گئی ہے، ہاں البتہ میں یہ سوچتا ہوں کہ اس کے تاریخی چہرے پر لگے ان جیسے ”تاریخی داغوں“ کو دھوئے بغیر اس کے تاریخی چہرہ کو مرشد و راہ نمائنانے کی کیا حکمت ہو سکتی ہے؟ ابن رشد کے مرید اس بات کا جواب نہیں دیتے۔ ابن رشد کی ذات ہماری نظر

میں ایک معمہ ہے۔ اس کی زندگی میں بھی اس کی طرف بہت کچھ منسوب ہوا اور اس کی صفائیاں بھی ملتی رہیں۔ مسلم امراء کے ہاں اسے کبھی عزت اور کبھی ذلت نصیب ہوتی رہی۔ (دیکھئے: تاریخ فلاسفۃ الاسلام) اس معمہ کو حل کیے بغیر اس کو راہ نما بنانے سے کیا مقصود ہے؟

بتایا جاتا ہے کہ ابن رشد نے سائنس و فلسفہ کے لیے بہت سی قربانیاں دیں، اس نے جو تے کھائے اور اس پتھوکا گیا۔ سوال یہ ہے کہ جس تاریخ میں اس کی یہ ”قربانیاں“ مذکور ہیں، کیا اسی تاریخ میں وہ ”سائنسی انکشافات“ مذکور نہیں ہیں جن کی وجہ سے اسے عام مسلمانوں کے غیظ و غضب کا شکار ہونا پڑا؟ یا تو دونوں کو سچ کہتے یا پھر دونوں کو غلط۔ اگر بات قربانیوں کی ہے تو سنئے، مسلم معاشرہ سے فلسفہ کے برے اثرات کو رد کرنے کے لیے امام احمد ابن حنبل نے بھی بہت کوڑے کھائے تھے، کیا محض اس بناء پر آپ یونانی فلسفہ کے مضر اثرات کو تسلیم کریں گے؟ اگر ہاں تو پھر غزالی کا تصور کیا ہے؟ انہوں نے انہی مضر اثرات کو ہی تو نشان زد کیا ہے۔ مزید سنئے، خود غزالی کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی بعض کتابیں بعض علاقوں میں جلائی گئیں۔ (طبقات الشافعیۃ - جلد ۶، صفحہ ۲۵۸) پس فرق کیا ہوا؟ اپنے موقف کے لیے قربانیاں تو سب نے دی ہیں۔

رہنے کا گھر آخرت ہے:

اس دنیا کی خوشحالی کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی کو اختیار کرنا منع نہیں، بلکہ شاید کسی درجہ میں مفید بھی ہے۔ مگر یہ اس قیمت پر نہیں کہ ہم اسلام سے ہی دست بردار ہو جائیں۔ قرآن کی نگاہ سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا رہنے کا اصل گھر نہیں، غیر مسلم کی کسی نیکی اور رفاہی کام پر اللہ پاک اسے اس دنیا میں ہی اس کا بدلہ دے دیتے ہیں کیونکہ آخرت کا ابدی گھر اس کے لیے نہیں۔ جبکہ مسلمان کی کسی بد عملی پر اسے دنیا میں ہی سزا دے دی جاتی ہے کہ یہ آخرت کی بڑی سزا سے بچ جائے۔ ایسی صورت میں غیر مسلم دنیا پا کر بھی ناکام اور مسلمان دنیا سے محروم ہو کر بھی اس سے بہتر ہوتے ہیں۔ مغرب کی ”مادی عزت“ اور مسلمانوں کی ”مادی کمتری“ اس لیے نہیں کہ اللہ ان سے راضی اور ہم سے ناراض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف راضی ہو کر ہی نہیں، ناراض ہو کر بھی کچھ دے سکتے ہیں۔ آج آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم غزالی کی بجائے ابن رشد کو اپنا راہ نما بناتے تو مغرب کی طرح سائنس میں ترقی کرتے اور ذلت کے یہ دن دیکھنے نہ پڑتے، اگر ہمیں یہ دنیا اور اس کی مادی چکا چوندا تھی ہی عزیز ہے تو خطرہ ہے کہ کل کوئی صاحب اٹھیں گے اور یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم مسلمان کی بجائے کچھ اور ہوتے تو ذلت کے یہ دن نہ دیکھتے۔ اگر ہمیں آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی حقیقی عزت بھی چاہیے تو اس کے لیے ہمیں اپنی غلطیوں کا تدارک کرنا ہوگا، جن کی وجہ سے ہم خدا کی مدد اور نیک سمجھ سے محروم ہیں۔ ان میں سے ایک غلطی دنیا پرستی بھی ہے۔ ہماری سب سے قیمتی متاع محمد عربی کا کلمہ ہے اور اسی کے ساتھ ہمارا رہنا مرنا ہے۔

استدراک:

ہمارے ہاں ”ماہنامہ ساحل“ (مرحوم) کے وابستگان کا حلقہ سائنس اور سائنسی علوم کی مطلقاً تردید کے حوالہ سے خاصی شہرت رکھتا ہے۔ یہ حضرات اس معاملہ میں غزالی کو اپنا پیش رو اور خود کو ان کا تابع سمجھتے ہیں، ہمیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اہل مغرب کی طرح یہ حضرات بھی غزالی کو سائنس کی مطلق تردید کے الزام سے ”مہتمم“ دیکھنا چاہتے ہیں، حسین



ظن یہی ہے کہ اس میں ان کے کچھ نیک مقاصد ہوں گے، مگر میں حیران ہوں کہ غزالی خود علومِ حکمیہ (سائنس و فلسفہ) کو تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”میں ان علوم کے صرف چند مخصوص اجزا پر تنقید کا قائل ہوں جو دین سے متصادم ہیں، ان علوم پر مطلقاً تردید کرنا درست نہیں۔“ ان کے بیان کے مطابق ”پہلے نمبر پر ان علوم میں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے اور دین کے درمیان اختلاف صرف لفظی نوعیت کا ہے، دوسرے نمبر پر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو دین کی کسی اصولی بات سے متصادم نہیں ہیں، مثلاً یہ کہ زمین گیند کی طرح گول ہے، آسمان نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، وغیرہ وغیرہ تو یہ بھی ہماری بحث سے خارج ہیں کیونکہ دین زمین اور آسمان کے بارہ میں صرف یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کو مخلوق سمجھا جائے، بعد ازاں فی الواقع یہ زمین گول ہو، چٹائی کی طرح کچھی ہوئی ہو، چھ کونوں والی ہو یا آٹھ کونوں والی، اس سے دینی عقائد اور دین کی کسی اصولی بات پر بہر حال کوئی ضرب نہیں پڑتی، ان امور کی تردید بھی ہمیں مطلوب نہیں، بلکہ اس بارہ میں بعض اوقات سائنسی توجیہات اتنی قطعی ہوتی ہیں کہ ان کا انکار ہی ممکن نہیں ہوتا۔“ ان کی رائے میں ”جو آدمی ایسی چیزوں کے اندر بھی ان کے ساتھ دینی جوش و خروش کے ساتھ مناظرہ کرے اور سمجھے کہ یہ دین ہے تو ”فقد جنسی علی الدین و ضعف امرہ“ یعنی اس آدمی نے دین کی دوستی میں دراصل دین کے خلاف ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے اور دین کے مقدمہ کو ہی اس نے کم زور کر دیا ہے۔“ مزید کہتے ہیں: ”تیسرے نمبر پر کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ دین کی کسی اصولی بات پر ان کی زد پڑتی ہے، مثلاً کائنات کے ابدی ہونے، خالق کی صفات کے تعین اور بعثت بعد الموت کے جسمانی صورت میں ہونے کی باتیں جن کا انکار فلسفیوں نے کیا ہے، صرف اور صرف انہی مخصوص مسائل میں ان کے نظریات کی بنیاد کئی تک خود کو محدود رکھنا چاہیے۔“ (تہافت الفلاسفة - صفحہ ۷۹-۸۱) میں حیران ہوں کہ اتنی واضح تصریحات کے بعد سائنس کے ”مطلق رد“ کا گرجا غزالی کو کیسے پہنایا جاسکتا ہے اور ساحل کا حلقہ یا ابن رشد کے مرید کیسے ان کو دین و سائنس میں ہم آہنگی کے خلاف کہہ سکتے ہیں؟ اس نکتہ پر کچھ گفتگو مضمون کی ابتداء میں بھی ہو چکی ہے۔ اللھم انی اسئلك حبك وحب من یحبك وحب عمل یقریبی الیک، آمین

## مراجع

- ۱- مقاصد الفلاسفة، امام غزالی، تحقیق: محمود یثوب۔ ط: مطبعة البیاض، دمشق
- ۲- تہافت الفلاسفة، امام غزالی، تحقیق: ڈاکٹر سلیمان دنیا۔ ط: دارالمعارف، مصر
- ۳- تہافت التہافت، ابن رشد، تحقیق: ڈاکٹر سلیمان دنیا۔ ط: دارالمعارف، مصر
- ۴- ہدایۃ الحکمة، اشیر الدین ابہری، حواشی: محمد عبید اللہ قندھاری وسعدت حسین، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- ۵- طبقات الشافعیۃ، تاج الدین السبکی۔ ط: دار احیاء الکتب العربیۃ
- ۶- تاریخ فلاسفة الاسلام، لطفی جمعہ، ترجمہ: ڈاکٹر میر ولی محمد۔ ط: نفیس اکیڈمی، کراچی
- ۷- مقدمہ ابن خلدون، ترجمہ: مولانا عبدالرحمن ویلوی۔ ط: الفیصل لاہور
- ۸- حکمائے اسلام، مولانا عبدالسلام ندوی۔ ط: نیشنل بک فاؤنڈیشن
- ۹- علم الکلام، علامہ شبلی نعمانی۔ ط: نفیس اکیڈمی، کراچی